ثمینہ سیف

اسکالر پی ایچ۔ڈی، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن

استاد، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

"فسانہ عجائب" کے تنقیدی سرمائے کا تجزیہ

Samina Saif

Ph.D Scholar, Department of Urdu, G.C. University, Lahore

Dr. Nasima Rehman

Associate Professor, Department of Urdu, G.C. University, Lahore

Analysis of the Criticism of "Fasana-e-Ajaib"

Rajab Ali Baig's first composition, "Fasana-e-Ajaib", has laid the basis of Urdu prose. It keeps a distinguished fame and place in literary fiction. While analyzing the writing style of "Fasana-e-Ajaib", critics have declared the colorful expression in the production of poetry and prose to be the distinguished characteristic among the other qualities of Saroor's writing. Keeping Dabistan-e-Lucknow in consideration, they have declared "Fasana-e-Ajaib" the true reflection of Eastern civilization and culture, social norms and beliefs, and religious dogmas. Critics have also done the cultural analysis of this masterpiece. And they have appraised the rules and regulations of story writing in it with an objective approach as well. This work has faced such diverse experiences of criticism, both positive and negative, that no other fiction in Urdu literature would have such different and diverse critique material. Critics have presented very interesting critical reviews on its style, characterization, plot, and story.

Key Words: *"Fasana-e-Ajaib", Critics, Literary Fiction, Dabistan-e-Lucknow, Social Conventions, Diversity, Style, Characterization, Plot, Story Writing.*

رجب علی بیگ سرورؔ کی تصنیف "فسانہ عجائب" کو اُردو کے داستانی ادب میں "باغ و بہار" کے ہم پلّہ اور یکساں شہرت کی حامل تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۸۲۴ء / ۱۲۴۰ھ میں لکھی گئی اس داستان پر تنقید کا وقیع سرمایہ موجود ہے اور یہ تنقیدی سرمایہ کسی بھی طرح "باغ و بہار" کے تنقیدی سرمائے سے کم نہیں ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ

تنقیدی حوالے سے "باغ و بہار" کا فورٹ ولیم کالج کے باہر اگر کوئی داستان مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ یہی داستان ہے۔ اُردو کی نثری داستانوں پر تنقید کرتے ہوئے کلیم الدین احمد، ڈاکٹر گیان چند جین، سید وقار عظیم، ڈاکٹر سہیل احمد خاں، ڈاکٹر سہیل بخاری، آغا سہیل، ڈاکٹر آرزو چودھری، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اور ڈاکٹر مظفر عباس "فسانہ عجائب" کو زیر بحث لاتے ہیں۔ "فسانہ عجائب" کو رشید حسن خاں، اطہر پرویز، ضمیر حسن دہلوی، سید سلیمان حسین، عبید اللہ خاں، ڈاکٹر محمود الٰہی، محمد واصل عثمانی، سید رفیق حسین، محمود اکبر آبادی، قمر جہاں اور محمد امین خاور وغیرہ نے مرتب کرتے ہوئے مقدمات میں خاطر خواہ تنقید کی ہے علاوہ ازیں رجب علی بیگ سرورؔ کی شخصیت پر کام کرتے ہوئے نیر مسعود رضوی (رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے)، ضمیر حسن دہلوی (فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ)، رفیع الدین ہاشمی (سرور اور فسانہ عجائب) اور کلثوم نواز (رجب علی بیگ سرور کا تہذیبی شعور) نے بھی تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے، اُردو ادب کی تاریخ اس داستان کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہے چنانچہ ڈاکٹر گیان چند جین، علی عباس حسینی اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری جیسے ادبی محققین و مورخین نے "فسانہ عجائب" کی اہمیت کے پیش نظر اس کو شامل بحث کیا ہے۔ "فسانہ عجائب" سرورؔ کی پہلی نثری تصنیف ہے جس کا مقابلہ ان کی کوئی دوسری تصنیف نہیں کر سکی جبکہ اُردو نثری داستانی ادب میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تنقیدی حوالے سے بھی اس داستان پر تعریف و تنقیص کے اتنے متضاد تنقیدی تجربات ہوئے ہیں کہ شاذ ہی اُردو کی کسی اور داستان کو اتنا رنگارنگ تنقیدی مواد میسر آیا ہو۔ اِس داستان کے اسلوب کو کلیم الدین احمد نے ہدف تنقید بنایا۔ "اُردو زبان اور فن داستان گوئی" میں کلیم الدین احمد نے "فسانہ عجائب" کی زبان کو تصنع کی رنگ آمیزی، پر تکلفی، کہنگی، بد سلیقی اور بد مذاقی کی بہترین مثال کہا جس کی ادب میں کوئی جگہ نہیں۔ ان کی یہ رائے تنقید سے زیادہ تنقیص کے زمرے میں آتی ہے۔ "باغ و بہار" کے اسلوب سے موازنہ کرنے کے بعد فسانہ عجائب کے بارے میں وہ یوں تحریر کرتے ہیں: "صفائی اور سبکی کے بدلے یہاں ثقالت ہے۔ یہاں وہ حسن سادہ بھی نہیں جو میرامن کی نثر کی دلکشی کا سبب ہے۔۔۔ "فسانہ عجائب" شعر اور نثر دونوں کی خوبیوں سے خالی ہے۔" (۱)

انہی خیالات کے داعی ڈاکٹر تبسم کاشمیری بھی ہیں ان کے خیال میں "باغ و بہار" کے جواب میں اہل لکھنو نے "فسانہ عجائب" جیسی تصنیف ردعمل میں تحریر تو کی مگر "باغ و بہار" کے برعکس اس میں تصنع اور تکلفات کی لے موجود ہے۔ مزید برآں وہ سرورؔ کے بھاری بھر کم اور پر تکلف اسلوب سے بیزاری کا اظہار یوں کرتے ہیں: "لفاظی کا لامتناہی چکر اور اشعار کا انبار قاری کے کندھوں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ سرورؔ ہے کہ تھکتا ہی نہیں مگر اس کا

قاری جو داستان پڑھنا چاہتا ہے اس بوجھ سے پریشان خاطر ہوتا جاتا ہے۔"(۲) ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے خیال میں مصنف کی شعوری کوشش نے داستان کو بے لطف بنایا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری بھی درج بالا ناقدین کے تنقیدی موقف کی تائید کرتے ہیں۔ "باغ و بہار" اور "آرائش محفل" کی زبان سے موازنہ کرتے ہوئے انہیں "فسانہ عجائب" میں قافیہ پیمائی، عبارت کی آرائش اور لفظی نمائش جیسی پیچیدگیاں ناگوار گذریں، ان کے مطابق سرورؔ کے قلم میں "میرا من کی شیرینی، رنگینی اور گھلاوٹ کا تو ذکر ہی کیا وہ آرائش محفل کی سی لطافت اور دلکشی بھی پیدا نہ کر سکے۔۔۔ زبان تصنع اور تکلف کے باعث اس قدر بوجھل ہو گئی ہے کہ پڑھنے والے کا جی اکتانے لگتا ہے۔"(۳) سید رفیق حسین بھی اسلوب کو گراں تصور کرتے ہوئے "فسانہ عجائب" کی مشکل دقیق نثر کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، اس ضمن میں "فسانہ عجائب" کا "باغ و بہار" سے موازنہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں "فسانہ عجائب لکھنا آسان پڑھنا مشکل۔ باغ و بہار لکھنا بہت مشکل پڑھنا بہت آسان۔ سرورؔ کو ہر رنگ کے اسلوب کی مشق تھی۔ وہ قافیوں کے عاشق تھے اور ان سے قافیوں کا بھی قافیہ تنگ تھا۔"(۴) محمد امین خاور نے "فسانہ عجائب" مرتب کرتے وقت مقدمے میں سرورؔ پر تنقید کی ہے کہ مصنف نے اپنا اور دیگر دوسرے شعراء مثلاً میر سوزؔ، میر دردؔ، مصحفیؔ، شیفتہؔ، حافظؔ اور سعدیؔ جیسے نامور شعرا کا غیر معیاری کلام اپنی داستان میں شامل کیا ہے اور شعر کے بغیر سرورؔ لقمہ نہیں توڑتے جس سے نثر "بے لطف، بے مول اور غیر متوازن ہے۔" (۵) محمد امین خاور کو یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ اس کا کلی اختیار داستان لکھنے والے کو ہے وہ جو مرضی کلام منتخب کرے۔ محمد امین خاور اپنے بیان کے حق میں مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں کہ وہ میر سوزؔ، میر دردؔ، مصحفیؔ، شیفتہؔ، حافظؔ اور سعدیؔ کے کلام کو کن وجوہات کی بنا پر غیر معیاری قرار دیتے ہیں۔ نیز وہ اس بات کی بھی وضاحت نہیں کرتے کہ ان شعرا کے کلام نے کیونکر سرورؔ کی نثر کو بے لطف، بے مول اور غیر متوازن بنا دیا ہے۔

مذکورہ تنقیدی خیالات کے برعکس ضمیر حسن دہلوی "فسانہ عجائب" کے پیرایہ گفتار کو لکھنو کے عہد میں جانچ کر اس کا صحیح مقام و مرتبہ متعین کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ دراصل سرورؔ کے عہد میں مبالغہ آمیزی، مسجع اور قافیہ پیمائی کو معیار فصاحت تصور کیا جاتا تھا مگر آج کے دور میں یہ لوازمات متروک ہو چکے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ تعصب کی آنکھ نے "فسانہ عجائب" کو دبیز پردوں میں چھپا دیا ہے۔ ضمیر حسن دہلوی "فسانہ عجائب" کے اسلوب پر کی گئی تنقید میں وسیع نظری اور کشادہ ذہنیت کی قلت پاتے ہیں، ان کے خیال میں سرورؔ کی نثر میں اپنے ماحول اور عہد کے تمام محاسن موجود ہیں۔ ان کا خیال ہے:

"شوخ اور برجستہ محاوروں، شاعرانہ صنعتوں اور لفظی و صوتی آہنگ نے جا بجا اس
عبارت کو لالہ زار بنا دیا ہے جس کی داد۔۔۔ آج کے پڑھے لکھے طبقے سے ملنا مشکل ہے
جو ادب کی لطافتوں کو سمجھنے سے محروم اور اس کی لذت سے بیگانہ نظر آتا ہے۔" (۶)

"فسانہ عجائب" کی طرز روش پر انتہائی مدبرانہ اور منصفانہ تنقید گیان چند نے کی ہے انہوں نے اس نثر کو گذرے زمانے کی یاد کہا جب ترصیع اور رنگینی کو بیان کا معیار قرار دیا جاتا تھا۔ ان کا ماننا ہے کہ مذکورہ داستان کو قابل فہم بنانے کے لیے عارضی طور پر قدیم ذہنیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ گیان چند جین بھی ضمیر حسین دہلوی کی طرح "فسانہ عجائب" کو عصری پس منظر میں دیکھنے کے قائل ہیں۔ انہیں "فسانہ عجائب" کے ناقدین بالخصوص کلیم الدین احمد سے شکوہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کے تنقیدی اصولوں کے تحت "فسانہ عجائب" کو پرکھا ہے۔ کلیم الدین احمد کی "اردو زبان اور فن داستان گوئی" میں "فسانہ عجائب" کے متعلق سخت اور ناگوار رائے پر ڈاکٹر گیان چند جین اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وہ فسانہ عجائب کے ساتھ بالکل ہی انصاف نہ کر سکے۔ اِس پوری کتاب میں اگر کوئی قصہ ضرب کلیمی کا شکار ہوا ہے تو فسانہ عجائب۔۔۔ سرورؔ کے مخاطب اِن کے ہم عصر اہل لکھنو تھے کلیم الدین احمد صاحب کے معاصرین نہیں۔"(۷)

ڈاکٹر نیر مسعود رضوی نے "فسانہ عجائب" کی زبان کو دو حصّوں میں منقسم کر کے ایک کو سلیس اور بامحاورہ کہا جو مجموعی طور پر داستان کی زبان ہے جبکہ دوسرے حصّے کی زبان کو پیچیدہ اور گراں جانا۔ اسلوب کے مطالعے کے حوالے سے انہوں نے جہاں آج کے قاری کو فارسی سے نابلد کہا وہاں سرورؔ کے بیان میں رنگینی کا بھی ذکر کیا ہے، ان کے مطابق گاہے بگاہے مصنف خود اپنی اصلاح سے ہموار راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور یوں مجموعی طور پر:

"سرورؔ نے زیادہ تر "فسانہ عجائب" میں شعوری طور پر سادہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے جس میں قافیہ بندی کے سوا دوسری رنگینیوں اور بے جا ضرورت لفاظیوں سے کم کام لیا اور اُردو کے بنیادی اسلوب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔"(۸)

گیان چند جین، ڈاکٹر نیر مسعود رضوی اور ضمیر حسن دہلوی کی طرح رشید حسن خاں نے "فسانہ عجائب" کے اسلوب پر غیر جانبدارانہ تنقید کی ہے۔ انہوں نے "فسانہ عجائب" کی زبان کی ساخت و بناوٹ اور مسائل لغت پر نہ صرف عمیق تجزیہ پیش کیا ہے بلکہ سرورؔ کے طرز بیان میں خوبیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اسلوب کے حوالے سے "فسانہ عجائب" کی خصوصیات کو اُجاگر کرنے کے لیے رشید حسن کے تنقیدی خیالات کی روشنی میں راقمہ نے درج

ذیل نکات اخذ کیے ہیں۔(۱) زبان کی پیچیدگی اور منطق حقیقی مشکل نہیں بلکہ ہماری ناواقفیت کی بدولت ہے۔(۲) سرورؔ کے بیان میں لکھنو کی علمیت موجود ہے۔(۳) فورٹ ولیم کالج کی داستانیں باقاعدہ ایک مرتب خاکے کے تحت لکھی گئیں جبکہ سرورؔ نے کسی بھی اصول اور خاکے کے بغیر یہ داستان بلحاظ زبان معیاری لکھی۔(۴) سرورؔ نے تذکیر و تانیث کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

رشید حسن خاں نے اپنی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے صرف تعریف ہی نہیں کی بلکہ داستان کی خامیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کی تنقیدی سوچ معروضی انداز کی حامل ہے۔ انہوں نے ''فسانہ عجائب'' میں جہاں بعض مقامات پر رعایت لفظی اور قافیہ پیمائی کو عبارت میں خرابی کا باعث کہا وہاں کرداروں کی تعریف میں کہیں کہیں بیان میں بھدّا پن آ جانے کا ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک ''قافیہ بندی سرورؔ کا ہنر بھی ہے اور عیب بھی۔ جہاں جہاں سلیقے کے ساتھ اسے برت گئے، وہاں جملہ چمک اُٹھا۔ جہاں حسن تناسب اور سلیقہ کار فرما نہیں رہا ہے وہاں بھدّا پن آ گیا ہے۔''(۹) رشید حسن خاں نے اپنے مقدمے میں اسلوب کے حوالے سے غیر جانبدارانہ تنقیدی نقطہ نظر سے فن پارے کے حسن و قبح پر گہری نظر ڈالی جس سے ان کا یہ مقدمہ معلوماتی اور وقیع بن گیا ہے۔

کلثوم نواز بھی اس نثر کو مرصع نہیں گردانتیں نیز وہ رجب علی بیگ سرورؔ کا تعلق انیس کے دبستان فکر سے جوڑتی ہیں جہاں سادگی اور فصاحت قدم بہ قدم رواں ہیں، لکھنو کے قاری کے مذاق کے مطابق سرورؔ کا قلم مسجع و مقفیٰ عبارت تحریر تو کرتا ہے مگر ''یہ طرز نگارش تمام داستان میں موجود نہیں ہے اور یہ عبارت آرائی خال خال نظر آتی ہے۔ عام بیان وہی ہے جو حضرت انیس کے دبستان کا وصفِ خاص تھا۔'' (۱۰) یہ الگ بات ہے کہ بدلتے دور اور معیار کے ساتھ آج کا زمانہ اس عبارت کو ژولیدہ و پیچیدہ سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے ''فسانہ عجائب کا بنیادی متن'' میں سرورؔ کے بارہا ایڈیشنوں کے بدلنے کی طرف اشارہ کیا اور ایسا کرنے کے دوران مصنف نے نہ صرف ہر مرتبہ متداول نسخوں میں تبدیلی کی بلکہ یوں نثر کو بھی مصنوعی بنایا۔ وہ اس نثر کو جہاں مصنف کے ضمیر کی آواز کی بجائے اکتسابی عمل قرار دیتے ہیں وہیں وہ اس اسلوب کو ادبی تاریخ کا عجوبہ قرار دے کر اپنی رائے کا اظہار اِس انداز سے کرتے ہیں:

> ''نثر شناسوں کے ہر دو طبقے کو انہوں نے مطمئن کر دیا۔ جو لوگ نثر کو ناسخ کے شعری اسلوب کے نعم البدل کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے، ان کی مراد بھی بر آئی اور جو نثر کو سادہ و معصوم حسن کا پیکر سمجھتے تھے، انہوں نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔'' (۱۱)

ڈاکٹر محمود الٰہی سرورؔ کی نثر کی تعریف و تحسین کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کے تنقیدی خیالات "فسانہ عجائب" کو مرتب کرتے وقت سلیمان حسین نے یوں لکھے ہیں "سرورؔ کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے رسمی قیود کی پابندی کے باوجود نہ تو تازگی اور شگفتگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے اور نہ اپنی تحریر کو گنجینہ معنی کا طلسم ہی بننے دیا۔" (۱۲) "فسانہ عجائب" میں زبان و بیان کو شوکت سبز واری پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، وہ سرورؔ کے طرز بیان کو سادہ اور واقعاتی کہتے ہیں جو زندگی سے بہت قریب ہے۔ داستان کے اسلوب میں نفسیاتی و داخلی پہلوؤں کو پرکھ کر انہوں نے "فسانہ عجائب" کا یہ بلیغ تنقیدی تجزیہ کیا ہے کہ "زبان و بیان کی سحر کاری وصنعت میں وہ طلسم ہوشربا سے آگے ہے۔"(۱۳) شوکت سبز واری کا خیال ہے کہ "داستان امیر حمزہ" جیسے حجم اور بزرگی کی "فسانہ عجائب" متحمل تو نہیں ہو سکتی مگر اسلوب کے حوالے سے اسے "طلسم ہوشربا" پر فوقیت حاصل ہے۔ داستان کے طرز نگارش میں رنگینی بیان اور نمود نظم و نثر کو سعادت علی صدیقی، سرورؔ کی جودت طبع کی امتیازی خصوصیت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "جس کی داد غالبؔ جیسے سخنور نے بھی دی ہے اور بیسویں صدی کا مغرب زدہ نقاد بھی سر تسلیم خم کیے بنا نہیں رہتا۔" (۱۴) لکھنوی دبستان کے رنگینی کلام میں صنائع و بدائع کو بر تنافی مہارت کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ لکھنوی دبستان کے پیش نظر سرورؔ کے کلام میں رعایت لفظی اور تلمیحات میں مشرق اور لکھنو کی تہذیبی و تمدنی روایات، معاشرتی آداب و رسوم، قرآنی قصص و مذہبی اعتقادات، تاریخی واقعات اور معاشرتی توہمات کا عکس موجود ہے۔ مکالمہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبید اللہ خاں کو ان مکالموں میں برجستگی اور بے ساختہ پن نظر آیا، انہی خصوصیات کی بنا پر وہ "فسانہ عجائب" کو دوسری داستانوں پر فوقیت دیتے ہیں۔(۱۵) الغرض ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ضمیر حسن دہلوی، نیر مسعود رضوی، اور آغا سہیل نے "فسانہ عجائب" کے اسلوب کو سراہا ہے جبکہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، رفیق حسین اور کلیم الدین احمد نے اس اسلوب کو گراں اور دقیق قرار دے کر عصر حاضر میں غیر مستعمل قرار دیا ہے۔

کردار نگاری کے حوالے سے "فسانہ عجائب" کی تنقید متضاد بیانات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ نیر مسعود رضوی نے "رجب علی بیگ سرور۔ حیات اور کارنامے" میں پلاٹ اور کردار نگاری کے فن کو "فسانہ عجائب" میں بلند معیار کا حامل کہا اور داستان کے کرداروں میں زندگی کی حرارت کی موجودگی کا بتایا جبکہ ڈاکٹر گیان چند جین نے "اُردو کی نثری داستانیں" میں مافوق الفطرت عناصر کی موجودگی سے پلاٹ کو دلچسپ جانا جبکہ کردار نگاری کے پہلو میں انہیں کوئی تابناکی نظر نہیں آئی، اسی طرح ڈاکٹر تبسم کاشمیری کو "اُردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک" میں "فسانہ عجائب" کے قصے میں کوئی ندرت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی نیز وہ کردار نگاری میں بھی مصنف کو

کمال دکھانے سے قاصر سمجھتے ہیں۔ انہیں شہزادہ جان عالم کی حرکات تصنع آمیز، مہر نگار کا حسن روایتی اور انجمن آراء کے کردار میں تبدیلی ہونا ناممکن لگتی ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تنقیدی رائے بڑی معنی خیز ہے۔ "فسانہ عجائب" کے کرداروں کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہوئے وہ یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

> """فسانہ عجائب" کے مختلف افراد سرورؔ کے ہاتھ میں گیلی مٹی کی مانند ہیں جسے داستان کے چاک پر چڑھا کر کہانی کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق اس سے من پسند کردار تخلیق کرتے ہیں یہ گیلی مٹی موم کی ناک سے بھی زیادہ نرم ہے۔ سرورؔ اپنی پسند و ناپسند کے مطابق ان کے قدو قامت، وضع قطع، شکل و صورت کو اپنے تخیلی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔" (۱۶)

"فسانہ عجائب" کے کرداروں پر مذکورہ بالا ناقدین نے نشتر بھرے جملوں سے تنقید کی مگر اس تنقیدی شور میں ایک آواز ضمیر حسن دہلوی کی "فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ" میں ہے۔ انہوں نے داستان کے کرداروں کو نفسیاتی، معاشرتی اور سماجی رویوں کے تناظر میں پرکھا شہزادہ جان عالم کو مغل شہزادوں کی مانند گفتار میں اعلیٰ اور کردار میں ادنیٰ جانا نیز یہ کردار مغل شہزادوں کی مانند کثرت ازواج کا شیدائی ہے، ملکہ مہر نگار بھی مشرقی روایات کا مظاہرہ کرتی ہے۔ کردار نگاری میں تبدیلی قالب کو انسانی نفس کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل احمد خاں نے اپنی تنقید کا موضوع بنایا۔ ان کے نزدیک شہزادہ تبدیلی قالب کے راز سے آشنا ہے اور اپنے سینے میں راز کو چھپائے پھرتا ہے مگر وزیر زادہ ایک نفس کی مانند ہے جو حیلے بہانے سے "موقع ملنے پر ہمارے قالب بدل لیتا ہے اور ہمیں ایک حیوانی قالب دے دیتا ہے۔ نفس ہمیں تکبر کی سرمستی عطا کرتا ہے اس سرمستی میں ہمیں اپنے اوپر ترس کھانے پر مجبور کرتا ہے اور ہمارے قالب پر قبضہ کر لیتا ہے۔"(۱۷) شہزادہ جان عالم بندر بن کر حیوانی قالب میں ہے، نفس اس کے قالب پر قابض ہو کر بے گناہ بندروں کو قتل کرواتا ہے یوں شہزادے کی ایک غلطی اس کے لیے آزمائشوں کا سلسلہ کھڑا کر دیتی ہے مگر بالآخر وہ اصلی روپ میں واپس لوٹ آتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں نے تصوف کے اسرار و رموز کے حوالے سے نیکی اور بدی کی رزم آرائیوں کو نفس انسانی میں مختلف عناصر کی صورت میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار پا کر اپنی تنقیدی فکر سے داستانی ادب کی تنقید کو نئی جہتوں سے روشناس کروایا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے داستان کے پلاٹ میں مختلف اجزا کو رائج الوقت داستانوں سے منت کش جانا۔ ان کے مطابق "فسانہ عجائب" کا ڈھانچہ مہجورؔ کی "گلشن نو بہار" سے ماخوذ ہے، داستان کی ابتدا مثنوی میر حسن سے

مشابہہ ہے، توتے کی خرید "توتا کہانی" کے انداز پر ہے اور توتے کا حسین شہزادی کا پتہ دینا "پدماوت" اور "بہار دانش" کی یاد دلاتا ہے۔ یوں ڈاکٹر گیان چند جین نے مختلف واقعات کو دوسری داستانوں سے ماخوذ بتایا۔ وہ ہیرو کی مہمات کو بھی غیر فطری کہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ "فسانہ عجائب کے اہم واقعات میں تبدیلی قالب کے سوا کوئی ایسا خیال نہیں جو فرسودہ قصوں سے ممتاز ہو۔"(۱۸) ان کے نزدیک مصنف اُسی پٹی ہوئی ڈگر پر چل رہا ہے اور اس نے کچھ نیا اور خاص واقعہ بیاں نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے ان اعتراضات کو حقیقت پسندانہ تنقیدی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے آغا سہیل نے معروضی حقائق کے تناظر میں داستان کی ماہیت کو دیکھا۔ ان اعتراضات کے جواب میں انہوں نے یہ لکھا "اُردو میں ایسی کھری کوئی داستان اب تک نظر نہیں آئی ہے، ہر داستان کے ماخذ ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔" (۱۹) مزید برآں ڈاکٹر گیان چند جین کے اعتراضات کا تجزیہ کر کے آغا سہیل یہ باور کرواتے ہیں کہ اوّل تو سرور کا نوجوان انیسویں صدی کا ہے جس کی طبیعت میں بے چینی ہے جو اس Adventure اور رومانس میں ظاہر ہے، دوم: داستان کا پلاٹ اکہرا نہیں لہٰذا پرتوں کے بعد پرتیں آتی ہیں، اسی لیے دیگر داستانوں سے قصے ڈالے گئے ہیں اور سوم: بیسویں صدی کے منطقی ذہن کے مطابق اس پلاٹ پر تنقید جائز نہیں ہے، اس پلاٹ کو سمجھنے کے لیے ہمدردی کی ضرورت ہے۔ یوں ڈاکٹر گیان چند جین کی سخت تنقید کے برعکس آغا سہیل نے مدبرانہ اور ہمدردانہ ناقدانہ نظر "فسانہ عجائب" کے پلاٹ پر ڈالی ہے۔

"فسانہ عجائب" میں لکھنوی زندگی اور معاشرتی حوالے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ لکھنو سے دلی وابستگی اور والہانہ محبت کی عکاسی سرورؔ کے قلم نے کی ہے، کانپور میں جلاوطنی کے دوران یہ الفت شدت کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ سرورؔ کی وطن پرستی کو نفسیاتی و داخلی تناظر میں محمد داصل عثمانی نے "فسانہ عجائب" مرتب کرتے وقت مقدمے میں جانچا ہے۔ ان کے خیال میں سرورؔ "کے ہر لفظ اور ہر جملے سے لکھنویت جھلکتی ہے، لکھنوی انداز بیان لکھنوی طرز ادا جگہ جگہ پر نمایاں ہے۔" (۲۰)

سید وقار عظیم کا ماننا ہے کہ سرورؔ کو لکھنو سے والہانہ محبت نہیں بلکہ عشق ہے اور جلاوطنی نے اسے وارفتگی میں بدل دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ لکھنو کی زندگی کی عکاسی کرتے مصنف کا قلم بالکل آزاد ہو کر زندگی کے ذہنی اور معاشرتی رجحانات کے مرقعے پیش کرتا ہے، داستان میں کھانوں، دعوتوں، رسم و رواج، توہمات و اعتقاد، مذہبی عقائد اور مقامی زندگی لکھنوی رنگوں سے مزین ہے۔ سید وقار عظیم نے "فسانہ عجائب" میں لکھنوی معاشرت اور طرز زیست کی نمائندگی کو ایسی امتیازی خصوصیت کہا "جس سے باغ و بہار بھی خالی۔ وہاں ہمیں رزم یا بزم میں

کہیں دلّی نظر نہیں آتی۔۔۔" (۲۱) علاوہ ازیں سید وقار عظیم نے اپنی تصنیف "فن اور فن کار" میں "فسانہ عجائب کا لکھنوی مزاج" کے عنوان سے مضمون لکھ کر سرورؔ کی عبارت میں لکھنوی مزاج کی عکاسی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، کیا مکالمے اور کیا کردار نگاری انہوں نے ساری داستان پر بصیرت افروز ناقدانہ نظر ڈال کر داستان کو لکھنوی مزاج کے تخیل، فکر اور جذبے کی ترجمان کہا ہے اور یہ ترجمانی اسلوب، منظر کشی، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور ماحول کی عکاسی سے عیاں ہے۔ سید وقار عظیم کے خیال میں "فسانہ عجائب" کی عبارت مشاہدے، فکر، تخیل اور جذبے کے ساتھ ساتھ سرورؔ کے عشق وطن سے رنگی ہوئی ہے اور لکھنوی تہذیب کی روح کو مقید کر کے "فسانہ عجائب" کے اوراق میں محفوظ کرنے کا دعوی صرف سرورؔ کو ہی پھبتا ہے بلاشبہ:

> "لکھنوی ادیبوں میں اس معاملے میں کوئی فسانہ عجائب کے مصنف کا ہمسر نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے کہ وہ اس طرز اور مزاج کے حسن و قبیح کا بہترین ترجمان ہے۔ فسانہ عجائب تہذیبی زندگی کا ایک ایسا چمن ہے جس کے دامن میں گلہائے رنگین کی فراوانی تو ہے لیکن اس کا پہلو خاروں کی خلش سے خالی نہیں پھر بھی اس چمن کی سیر نظر افروز اور دل کشا ہے کہ اس کے رنگ و بو میں ایک خاص تہذیب کی روح عکس فگن ہے۔" (۲۲)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے فسانہ عجائب کی زبان، قصے اور کردار نگاری کے حوالے سے اسے کم اہم تصور کیا مگر ان کا خیال ہے کہ تہذیبی مرقع نگاری کی خصوصیت سے یہ داستان زندہ جاوید رہنے کے اہل ہے۔ سید وقار عظیم کی مانند ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا خیال ہے کہ "فسانہ عجائب" تہذیبی حوالوں سے "باغ و بہار" سے کہیں بہتر ہے۔ (۲۳) ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے تنقیدی خیالات کی بھرپور تائید ڈاکٹر مظفر عباس کرتے ہیں، ایک گم گشتہ تہذیب کو زندہ جاوید کرنے پر وہ سرورؔ کو ان الفاظ میں داد دیتے ہیں۔ "فسانہ عجائب لکھنوی تہذیب کا نگار خانہ ہے۔ ایک ایسا نگار خانہ جہاں سوز بھی ہے ساز بھی، گھن گرج بھی ہے اور شکست کی آواز بھی۔ اس نگار خانے کی تشکیل میں سرور کی فنکارانہ مہارت کو بڑا دخل ہے۔" ۲۴؎ "فسانہ عجائب" کے قصے، زبان اور کردار نگاری میں ڈاکٹر آرزو چودھری نے خامیوں کا ذکر کیا ہے مگر ماحول اور لکھنوی تہذیب کی منظر کشی کے حوالے سے داستان کو مصور رنگین کہا۔ ان کے خیال میں فسانہ عجائب کی مرغوبی اور دلکشی "لکھنوی تہذیب و تمدن کے جان نواز اور دل کشا مرقعوں کے باعث اہم ہے۔" ۲۵؎ اسی طرح ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، نیر مسعود رضوی، سید سلیمان حسین، اطہر پرویز اور ڈاکٹر گیان چند جین وغیرہ

دیگر ناقدین جنہوں نے "فسانہ عجائب" پر تنقید کی ہے انہوں نے بحوالہ لکھنوی معاشرت مذکورہ داستان کو اپنے عہد کی نفسیات، احساسات اور خیالات کا آئینہ کہا، مصنف کے تخیل کی سبھی نے دل کھول کر داد دی اور داستان کی رگوں میں لکھنو کی معاشرت کا خون پا کر اس تہذیب کو حیات جاودانی عطا کرنے کا موجب کہا۔ "فسانہ عجائب" کے دیگر مختلف اجزاء مثلاً اسلوب، پلاٹ، کہانی، کردار نگاری اور داستانی لوازمات پر تقریباً متضاد آرا دیکھنے کو ملتی ہے مگر لکھنوی معاشرت کی عکاسی داستان کی ایسی خوبی ہے جس پر سبھی ناقدین سرورؔ کے قلم سے متاثر ہو کر گن گانے پر مجبور ہیں اور اسی خصوصیت کی بنا پر "فسانہ عجائب" کو نہ صرف داستانی ادب میں بلکہ اُردو ادب میں لازوال قرار دیتے ہیں۔

"فسانہ عجائب" کی ادبی حیثیت متعین کرنے کے حوالے سے ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بعض ناقدین مثلاً نیر مسعود رضوی، ضمیر حسین دہلوی، آغا سہیل، عبید اللہ خاں اور عزیز احمد اس داستان کو ناول کے بہت قریب پاتے ہیں، اس بحث کا آغاز ناول کے دو قد آور ناقدین علی عباس حسینی اور عزیز احمد نے کیا ہے۔ اس ضمن میں علی عباس حسینی فرماتے ہیں "فسانہ عجائب کا ناول کے ارتقا میں خاصہ حصہ ہے۔ وہ طبع زاد ہے، لکھنو کی حقیقی زندگی کا مرقع ہے اور اُس تہذیب و ذہنیت کا نقشہ جو اس وقت دارالسرور (لکھنو) میں محبوب و مقبول تھی۔" ۲۶ جبکہ عزیز احمد کا خیال ہے کہ طلسماتی داستانی ادب کے عہد میں لکھی گئی "فسانہ عجائب" اپنی تین خصوصیات کی بدولت "طلسم ہوش ربا" اور "بوستان خیال" جیسی داستانوں میں ممیز ہے، اوّل۔ اختصار، دوم۔ ماحول سے متاثر اور سوم۔ قصے سے زیادہ اسلوب پر توجہ مرکوز ہونا۔ عزیز احمد کے مطابق ان خصوصیات کے بل بوتے سرورؔ نے:

> "رتن ناتھ سرشار کے لیے راستہ صاف کر دیا۔۔۔ مرزا رجب علی بیگ سرورؔ نے جو بیج بویا تھا وہ پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ کے ناولوں میں بار آور ہوا۔ سرشارؔ کے یہاں بھی ناولوں کی اصل دلچسپی قصے سے زیادہ زبان میں، واقعات سے زیادہ بیاں میں اور عمل سے زیادہ مکالمے میں ہے۔" (۲۷)

اسی طرح کے خیالات نیر مسعود رضوی پیش کرتے ہیں، ان کے خیال میں اسلوب کا انوکھا انداز جس کی مثال اس سے قبل داستانی ادب میں موجود نہیں ہے یہ صرف سرورؔ کا خاصہ ہے، فسانہ عجائب کے منظر عام آنے کے بعد اسی انداز میں باضابطہ تصنیف و تالیف کا بازار گرم ہو گیا بلاشبہ "اس حیثیت سے فسانہ عجائب ایک ادبی دور کا آغاز کرتی ہے۔ افسانوی ادب میں "فسانہ عجائب" سے ایک روایت کا آغاز ہوتا ہے۔" ۲۸ نیر مسعود رضوی کے مطابق زبان و بیان "فسانہ عجائب" کو ناول کے ارتقائی سفر میں کڑی بنانے میں معاون ہے جبکہ ضمیر حسن دہلوی داستان میں

معاشرت کی حقیقی تصویر کشی کی بنا پر اس کی ادبی اہمیت اپنے الفاظ میں یوں اُجاگر کرتے ہیں۔"اُردو کی یہ داستان فنی اعتبار سے داستان اور قصہ سہی لیکن اپنی فضا اور ماحول کے اعتبار سے اگر ناول نہیں تو ناول سے بہت قریب ضرور ہے۔" ۲۹ اطہر پرویز داستان میں مربوط پلاٹ اور جاندار کردار نگاری کی بنا پر "فسانہ عجائب" مرتب کرتے وقت مقدمے میں اسے ناول کے قریب جانتے ہیں۔ ضمیر حسین دہلوی اور اطہر پرویز کی طرح رفیق حسین قصہ کی اولیت و فوقیت کے داعی ہیں۔ انہیں یہ قصہ اختراعی اور طبع زاد لگا،"فسانہ عجائب" میں قصے کی اس خوبی کی بنا پر رفیق حسین دعوی کرتے ہیں کہ یہ "ناول تو نہیں ہے مگر ناول کا پیش رو ہے۔ ناول کی علامت ہے۔ رچرڈسن سے پہلے رابنس کروسو اور گلیورس ٹریول کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ۔" (۳۰) آگے چل کر انہوں نے "داستان امیر حمزہ" اور "بوستان خیال" کی مبالغہ آرائی و قیاس آرائی پر "فسانہ عجائب" کو ترجیح دی اور اسے زیادہ اچھا افسانہ کہا جس میں تھوڑی بہت حقیقت نگاری بھی ملتی ہے اور اسی بنا پر وہ اسے ناولوں کا پیش رو کہنے میں تامل محسوس نہیں کرتے۔

جبکہ ان درج بالا تمام تنقیدی خیالات کے برعکس ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق "فسانہ عجائب" کو ناول کے قریب قرار دینے والے تمام تر تنقیدی بیانات سراسر مبالغہ آمیز ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اوّل تو ناول کے برعکس اس داستان میں مافوق الفطرت عناصر کی بھرمار ہے، دوم: کردار داستانی اور مثالی ہیں، سوم: قصے ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے کہ مصنف ایک نئی کہانی شروع کر دیتا ہے اور چہارم: داستان اور ناول میں ایک اور بنیادی فرق تخیل کا ہے۔ گیان چند جین "فسانہ عجائب" کو ناول قرار دینے والے تمام بیانات کو یک قلم مسترد کرتے ہوئے یہ تنقیدی موقف اختیار کرتے ہیں:

> "داستان میں خیالی اور غیر اصلی زندگی کا بیاں ہوتا ہے، ناول میں اصلی زندگی طلسم، جادوگرنی، طوطے اور دیوؤں کے اس قصے کو کدھر سے ناول کہا جا سکتا ہے اگر یہ ناول ہے تو ایک جلد کی داستانیں امیر حمزہ، مذہب عشق، گل صنوبر، سروش سخن، طلسم حیرت وغیرہ سبھی داستانیں نہیں ناول ہیں۔" (۳۱)

ڈاکٹر سہیل بخاری بھی ڈاکٹر گیان چند کے تنقیدی خیالات کو تقویت دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "ناولوں اور فسانہ عجائب میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ شاید یہ بات پلاٹ کے پیش نظر کی گئی ہو لیکن ناول کے لیے ایک پلاٹ ضروری نہیں ہوتا۔ اصل چیز تخیل ہے جو

داستان اور ناول میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ فسانہ عجائب کا تخیل وہی داستانوں کا تخیل ہے۔" (۳۲)

ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق مافوق الفطرت واقعات، طلسم و فسوں، کرداروں کی مثالیت پرستی، عشقیہ مہمات اور تبدیلی قالب یہ سب داستانی تخیل کی دین ہیں، "فسانہ عجائب" اس دین سے مالامال ہے اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جو "فسانہ عجائب" کو ناول قرار دینے کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

داستانی ادب کی تنقید میں ایک پہلو موازنہ اور مماثلت کرنے کا ہے مختلف داستانوں کے موازنہ و مماثلت سے داستانوں اور مصنفین کے ذہنی ارتقا کا با آسانی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک "فسانہ عجائب" کا تعلق ہے تو اس حوالے سے عزیز احمد نے "پدماوت" سے قصے، کردار نگاری اور واقعات کی بنا پر یکسانیت کا دعوی کیا ہے۔ "پدماوت" اور "فسانہ عجائب" کی مماثلت کے حوالے سے عزیز احمد کے تنقیدی خیالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ان دونوں داستانوں میں مماثل واقعات کو نکات کی صورت میں واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔(۱) دونوں داستانوں میں مہمات کا آغاز طوطے سے ہوتا ہے۔(۲) پدماوت کا ہیرو راجہ رتن سین کی مانند جان عالم حسین عورت کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔(۳) رانی ناگ متی اور شہزادی ماہ طلعت کا کردار یکساں ہے۔(۴)"پدماوت" داستان کی مانند پدماوتی کی طرح انجمن آرا کی تلاش درکار ہے۔(۵) دونوں داستانوں میں مماثلت یہ بھی ہے کہ راگھو چتن پنڈت کی طرح وزیر زادہ دھوکہ دیتا ہے۔(۶) طوفان میں جہاز کی تباہی کا واقعہ بھی یکساں ہے۔(۷) پدماوتی کے سارے خصائص مہر نگار اور انجمن آرا میں باہم دکھائے گئے ہیں۔ عزیز احمد کا خیال ہے کہ ملک محمد جائسی کی رانی پدماوتی "بدھ یا عقل ہے اس میں حسن یا کمال عقل جمع ہیں۔ فسانہ عجائب میں انجمن آرا کو مکمل حسن اور مہر نگار کو مجسم عقل بنایا گیا ہے۔"(۳۳)

مذکورہ داستان پر کی گئی تنقید کا مجموعی طور پر جائزہ لیں تو اس حوالے سے آغا سہیل نے "دبستان لکھنو کے داستانی ادب کا ارتقاء" میں باب چہارم "مرزا رجب علی بیگ سرورؔ اور فسانہ عجائب" کے عنوان سے مختص کیا ہے، جس میں ان کے تنقیدی خیالات کی انفرادیت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ آغا سہیل کا طرز نگارش فاضلانہ و عالمانہ ہے۔ "فسانہ عجائب" پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات انہوں نے نہ صرف محنت شاقہ و عرق ریزی سے دیے ہیں بلکہ دلائل اور مثالیں دے کر داستانی ادب کی تنقید میں امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔ آغا سہیل نے "فسانہ

عجائب'' کو دبستان لکھنو سے ہم آہنگ ایک اکائی تصور کرتے ہوئے داستان کے پلاٹ، مآخذ، ضمنی قصوں اور کردار نگاری کو لکھنویت ذہن کا عکاس کہا نیز عصر حاضر کے منطقی اذہان کو بھی یوں مطمئن کیا:

''چھوٹے چھوٹے مصائب کو نظر انداز کیجئے تو فسانہ عجائب میں خوبیوں کا پلہ بھاری ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو فسانہ عجائب کے حصے میں ایسی لازوال مقبولیت کی دولت ہر گز نہ آتی۔۔۔ انیسویں صدی کے لوگوں کے اذہان میں قوت نقد اور تنقیدی بصیرت وہ نہ تھی جو آج ہے۔'' (۳۴)

آغا سہیل کے نزدیک سرورؔ کا مطالعہ تاریخی اور تہذیبی دور کا احاطہ کرتا ہے، یہاں لکھنو کی اجتماعی و انفرادی زندگی کے ہر رخ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ''فسانہ عجائب'' میں لکھنوی عہد کو سانس لیتے اور داستان کے اندر چھپے امکانات کو عصر حاضر کے تناظر میں بھی دیکھا ہے، ان کی تنقید میں وسعت اور حقیقت پسندی جھلکتی ہے۔ آغا سہیل کی تنقید سے ''فسانہ عجائب'' کو اعتماد ملا اور ان کے تنقیدی زاویہ نظر کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے جدیدیت کے شوق میں روایت کا خون نہیں ہونے دیا بلکہ اُردو کی کلاسیکی روایت کو جدید مزاج اور شعور سے ہم آہنگ کیا ہے۔ بلاشبہ آج کا قاری، داستان گو اور نقاد انیسویں صدی کے قاری، داستان گو اور نقاد سے یکسر مختلف ہے، لہذا تاریخی، سماجی، تہذیبی اور شخصی حالات کو پیش نظر رکھ کر تخلیق کو معروضی انداز سے دیکھنے کا انداز آغا سہیل کے ہاں موجود ہے۔ ''فسانہ عجائب'' میں ادبی و فنی خوبیوں کی نشاندہی سید رفیق حسین نے کی ہے۔ انہوں نے اپنی تنقیدی نظر سے اس داستان کو پرکھا، وہ داستان کو معیاری اور دلچسپ قرار دیتے ہیں۔ ان کی تنقید کے مطالعے سے ہم داستان کی درج ذیل خصوصیات اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ داستان دلچسپ ہے البتہ انداز بیان اگر سادہ ہوتا تو دلچسپی کو اور چار چاند لگ جاتے۔

۲۔ ''فسانہ عجائب'' کی تزئین قصوں کے گلہائے رنگا رنگ سے ہوئی ہے اور سارے ضمنی قصے باہم مربوط ہیں۔

۳۔ داستان اتنی چھپی کہ آفاقی اہمیت کی حامل ہے۔

۴۔ وہ داستان کو مخاطری کہانیوں کی صف میں رکھتے ہیں جہاں قدم قدم پہ پیچیدگیاں نمایاں ہیں۔

۵۔ زندگی کی کش مکش اس داستان سے جھلکتی ہے۔

۶۔ حق و صداقت کی جیت ہوتی ہے، ثنویت کا بے نقاب ہونا اچھے افسانوں کی شناخت ہے جو "فسانہ عجائب" میں موجود ہے۔

۷۔ سحر و ساحری اور مافوق الفطرت عناصر سے قدیم داستانی ادب کے ساتھ ساتھ مستقبل کے روشن امکانات کی گنجائش ہے۔

۸۔ ان کے خیال میں داستان کی سب سے بڑی خوبی سیکولر ازم ہے، "داستان امیر حمزہ" اور "بوستان خیال" کے برعکس یہ داستان تبلیغی عناصر سے خالی ہے۔ اس خوشگوار سیکولر فضا کو سید رفیق حسین اپنے الفاظ میں یوں سراہتے ہیں کہ "ایسی فضا دوسری داستانوں میں بھی ہوتی تو معاشرہ کا رنگ دوسرا ہوتا بہر حال ہمہ گیری اور جامعیت اس کا امتیازی وصف ہے۔۔۔ سیکولر ازم کے عناصر جتنے اس داستان میں ملتے ہیں کسی اور قدیم داستان میں مشکل سے ملیں گے۔" (۳۵)

یوں آغا سہیل اور سید رفیق حسین اپنے اپنے تنقیدی نظریات سے داستان کے اندرون و بیرون جھانک کر اس کی خصوصیات بتا کر ادبی حوالے سے اس کا درجہ و مقام بلند کرنے کی سعی میں سرگرداں ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کی "فسانہ عجائب" پہ تنقید بڑی مثبت اور معتدل ہے، ان کا تنقیدی رویہ انتہائی مناسب اور غیر جانبدارانہ ہے۔ انہوں نے "فسانہ عجائب" کے سبھی ادبی و فنی پہلوؤں کو جانچا ہے اور آخر میں انہوں نے "فسانہ عجائب" کی چند کمزوریوں کا بھی حوالہ دیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نیر مسعود رضوی تصویر کے دونوں رُخ کو جانچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ در حقیقت تنقید بھی وہی جامع اور معیاری ہوتی ہے جو نہ صرف تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے بلکہ فن پارے میں موجود کمزوریوں کو بھی ظاہر کرے۔ نیر مسعود رضوی نے داستان کا تہذیبی تجزیہ بھی کیا اور معروضی انداز سے اس میں داستانی اصول و ضوابط کو بھی پرکھا۔ ان کے نزدیک "فسانہ عجائب" میں بڑی خرابی یہ ہے کہ پلاٹ میں سبک روی کا فقدان ہے، پلاٹ غیر مربوط اور ناہموار ہے اور اس میں تشویش کا عنصر کم ہے نیز مافوق الفطرت عناصر داستان کو حقیقت سے دور لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ بغور مشاہدے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ "فسانہ عجائب" میں زمان و مکان کا تصور خام ہے اس حوالے سے بیشتر جگہوں پر داستان میں فنی قباحتیں موجود ہیں۔ سرورؔ کو المیہ نگاری پر کمال حاصل نہیں ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے نیر مسعود رضوی کو قصے میں یہ کوتاہی نظر آئی کہ مصنف کی ذات جابجا دخل انداز ہے، اس بے جا مداخلت سے داستان میں گرانی آجاتی ہے۔ لیکن

آخر میں وہ اس چیز کا بھی کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ یہ خامیاں آج کے عہد کے تناظر میں موجود ہیں مگر اپنے عہد میں یہ خامیاں قابل اعتراض نہ تھیں۔

"فسانہ عجائب" پر تنقید کرتے ہوئے ناقدین نے سبھی پہلوؤں اور حوالوں کو اپنی تنقید کا حصّہ بنایا۔ اس حوالے سے نہ صرف داستانی اصول و ضوابط کے کٹہرے میں داستان کو رکھا بلکہ عصر حاضر کے تنقیدی قوانین کے تحت بھی "فسانہ عجائب" کو پر کھا گیا، داستان میں تبدیلی قالب، سیکولرازم، زمان و مکان اور مستقبل کے دیگر امکانات کو بھی ناقدانہ انداز نظر سے دیکھا گیا۔ یوں اس داستان پر کی گئی تنقید کا مجموعی جائزہ لیں تو بلا تامل یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ "فسانہ عجائب" کا شمار اُن چند خوش نصیب داستانوں میں ہے جن کو اتنی کثیر تعداد میں ناقدین ملے۔ "فسانہ عجائب" کے مرتبین کے مقدمات بھی تنقیدی حوالے سے بہت اہم ہیں اور رجب علی بیگ سرورؔ کی حیات کے حوالے سے نیر مسعود رضوی، رفیع الدین ہاشمی اور کلثوم نواز وغیرہ کی تصانیف میں مذکورہ داستان پر وافر تنقیدی خیالات موجود ہیں۔ ہر مکتبہ فکر سے وابستہ ناقدین نے "فسانہ عجائب" کو چھیڑا، بعض نے متعصبانہ رائے دی مگر اسی دوران "فسانہ عجائب" پر منصفانہ اور اعتدال پسندانہ آرا کی بھی کمی نہیں ہے۔ ناقدین نے ایک دوسرے کے تنقیدی خیالات کو سراہا بھی ہے اور ایک دوسرے کے تنقیدی خیالات کو یکسر مسترد کر کے اختلاف کی گنجائش بھی نکالی، بعض ناقدین نے ایک دوسرے کی آرا سے استفادہ کرتے ہوئے محض تنقید برائے تنقید کی ہے مثلاً سید وقار عظیم نے "ہماری داستانیں" اور ضمیر حسن دہلوی نے "فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ" میں جن تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے وہی تنقیدی خیالات خواہ وہ پلاٹ کے بارے میں ہیں یا کردار نگاری کے متعلق، عبید اللہ خاں نے بھی "فسانہ عجائب" کو مرتب کرتے وقت انہی سے اپنے مقدمے کو آراستہ کیا ہے جبکہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تنقید نیر مسعود رضوی کی تنقید کا پر تو لگتی ہے۔ رفیع الدین ہاشمی کی تصنیف "سرور اور فسانہ عجائب" کے بارے ارتضیٰ کریم یوں رقم طراز ہیں کہ "رفیع الدین ہاشمی نے اپنی کتاب کی پوری عمارت نیر مسعود کے تحقیقی مقالے پر تعمیر کی ہے۔"(۳۶)

اسی طرح بعض مرتبین کے تنقیدی مقدمات میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی نئی یا انوکھی چیز نہیں ملتی، اس حوالے سے امین خاور اور قمر جہاں کا نام قابل ذکر ہے۔ قمر جہاں نے ہو بہو ڈاکٹر گیان چند جین کے تنقیدی خیالات سے استفادہ کرتے ہوئے "فسانہ عجائب" کے اسلوب کو دل آویز اور پلاٹ کو ندرت اور دلکشی و تازگی سے عاری پایا ہے۔(۳۷) کلثوم نواز نے رجب علی بیگ سرورؔ کی تہذیب کو صدیوں پر محیط کر کے ماضی و حال کے تناظر

میں جانچ کر اُس عہد کی تہذیبی ساخت اور مزاج کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے درست نتائج اخذ کیے، ان سے قبل یہ کام نیر مسعود رضوی اور سید وقار عظیم کر چکے تھے۔ اسلوب، زبان و بیان اور دیگر حوالوں سے کلثوم نواز کے بیانات پر مقدمین کی جھلک موجود ہے جبکہ تہذیبی حوالوں کی تنقید میں وہ اپنا تفویض کردہ کام بخوبی نبھاتی ہیں۔ "فسانہ عجائب" کی تنقید میں کہنہ مشق ناقدین مثلاً رشید حسن خان، نیر مسعود رضوی، سید وقار عظیم، ڈاکٹر گیان چند جین اور ضمیر حسن دہلوی کے نقش پا پر متاخرین چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد، اُردو زبان اور فن داستان گوئی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت اوّل، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹۶۔۱۹۷

۲۔ تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۵۳۸

۳۔ سہیل بخاری، اُردو داستان تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۸۰

۴۔ رفیق حسین، سید، افسانوی اصول اور فسانہ عجائب، رام دیال اگر والا کبڑہ، الہ آباد، اشاعت اوّل، ۱۹۷۵ء، ص: ۱۸۸تا۱۹۱

۵۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، فسانہ عجائب، مرتب: محمد امین خاور، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص: ۳۴

۶۔ ضمیر حسن دہلوی، فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ، انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۹۶۳ء، ص: ۱۱۰

۷۔ گیان چند، حقائق، نیشنل آرٹ پریس، الہ آباد، ۱۹۷۸ء، ص: ۱۸۰

۸۔ نیر مسعود، رجب علی بیگ سرور۔ حیات اور کارنامے، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، طبع اوّل، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۷۷

۹۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، فسانہ عجائب، مرتب: رشید حسن، نقوش اُردو بازار، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۹

۱۰۔ کلثوم نواز، رجب علی بیگ سرور کا تہذیبی شعور، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۲۰

۱۱۔ محمود الٰہی (مرتب)، فسانہ عجائب کا بنیادی متن، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، طبع اوّل، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۶

۱۲۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، فسانہ عجائب، مرتب: سید سلیمان حسین، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنو، طبع اوّل، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۸

۱۳۔ شوکت سبزواری، مضمون فسانہ عجائب سے فسانہ آزاد تک، مشمولہ نیا دور، کراچی، شمارہ ۱۱۔ ۱۲، ص: ۳۵۴

۱۴۔ سعادت علی صدیقی، ادبی تحریریں، نامی پریس، لکھنو، ۱۹۸۹ء، ص:۱۷

۱۵۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، مرزا، فسانہ عجائب، مرتب: عبید اللہ خان، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص:۵۱

۱۶۔ رفیع الدین ہاشمی، سرور اور فسانہ عجائب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۱۵۹

۱۷۔ سہیل احمد، داستانوں کی علامتی کائنات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص:۵۵

۱۸۔ گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص:۴۹۸

۱۹۔ آغا سہیل، دبستان لکھنو کے داستانی ادب کا ارتقاء، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۸ء، ص:۱۳۱

۲۰۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، فسانہ عجائب، تہذیب و ترتیب: محمد واصل عثمانی، مکتبہ عزم و عمل، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص:۱۳

۲۱۔ وقار عظیم، سید، ہماری داستانیں، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۳۵۰تا۳۵۳

۲۲۔ وقار عظیم، سید، فن اور فن کار، اُردو مرکز، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۶۶ء، ص:۹۱

۲۳۔ تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، ص:۵۴۷

۲۴۔ مظفر عباس، اُردو کی زندہ داستانیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص:۱۰۶

۲۵۔ آرزو چودھری، داستان کی داستان، عظیم اکیڈمی، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۸ء، ص:۴۵۱

۲۶۔ علی عباس حسینی، ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، ص:۱۴۵

۲۷۔ عزیز احمد، ترقی پسند ادب، ادارہ اشاعت اُردو، حیدر آباد، ۱۹۴۵ء، ص:۲۳۲

۲۸۔ نیر مسعود، رجب علی بیگ سرور۔ حیات اور کارنامے، ص:۲۳۰

۲۹۔ سرورؔ، رجب علی بیگ، فسانہ عجائب، مرتب: ضمیر حسن دہلوی، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص:۶

۳۰۔ رفیق حسین، سید، افسانوی اصول اور فسانہ عجائب، ص:۱۲۲

۳۱۔ گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، ص:۵۱۸۔۵۱۹
۳۲۔ سہیل بخاری، اُردو داستان تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص:۱۸۰
۳۳۔ عزیز احمد، مضمون فسانہ عجائب اور پدماوت، مشمولہ ماہنامہ نقوش، لاہور، شمارہ ۵، مارچ۔ اپریل ۱۹۴۹ء، ص:۲۱۷
۳۴۔ آغا سہیل، دبستان لکھنو کے داستانی ادب کا ارتقاء، ص:۱۵۱
۳۵۔ رفیق حسین، سید، افسانوی اصول اور فسانہ عجائب، ص:۲۰۲ تا ۲۱۱
۳۶۔ ارتضیٰ کریم، اُردو فکشن کی تنقید، ملک بک ڈپو پاکستان، لاہور، اشاعت اوّل، ۱۹۹۷ء، ص:۲۱۶
۳۷۔ قمر جہاں، انتخاب فسانہ عجائب، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۶ء، ص:۱۳